

قبالہ

پروفیسر منور حسین چیمہ
گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ

قبالہ کے معنی ٹھیکہ اور ضمانت کے ہیں۔ قبالہ اور ضمان ایک ہی مفہوم کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مسلمان فقہاء اور مؤرخین نے قبالہ اور ضمان کی اصطلاحات کو خراج کی بحث میں بہت کم استعمال کیا ہے۔ شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء نے اس پر بحث نہیں کی۔ یہاں تک کہ قانون کی ضخیم ترین کتابوں جیسا کہ ابن قدامہ کی "المغنی" یا الرطبی المصری کی "نہایت المحتاج" ہیں، ان میں قبالہ الخراج یا ضمان الخراج کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

مشہور لغت نویسوں نے اپنی کتب میں قبالہ کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن منظور (م ۱۱۷۰ھ) نے حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ایک حدیث کا حوالہ دے کر بات شروع کی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

إياكم والقبالات فإنها صغار وفضلها رباله
القبالات (قبالہ کی جمع) سے دور رہو۔ کیونکہ اس میں عجز و نیاز پایا جاتا ہے۔ اور اس کا منافع
ربا ہے۔

ابن منظور کا موقف یہ ہے کہ قبالہ کفالہ (ضمانت) کی ایک شکل ہے۔ الترمذی (م ۱۰۸۵ھ) اور
الزمخشری (م ۵۳۸ھ)، دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ قبالہ، ضمانت کا نام ہے۔ لیکن یہ ایک
فرض بھی ہے اور معاہدہ بھی کہ ایک کام کا ذمہ لیا جاتا ہے۔

لغت نویسیوں نے جو تعریفیں متعین کی ہیں وہ انتہائی مبہم ہیں۔ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ لغت نویس ضمان الخراج کا ذکر نہیں کرتے جس کی طرف فقہار نے کافی توجہ دی ہے۔

مسلمانوں کی فتوحات سے قبل بزنطینی سلطنت اور ساسانی مملکت میں یہ دستور تھا کہ ہر شہر خزانے کی طرف سے مقامی آبادیاں مقررہ وقت پر تمام مطلوبہ لگان کی ادائیگی کی ذمہ دار سمجھی جاتی تھیں۔ تاہم بعض اوقات بہت سے افراد فوری طور پر نقد مالیہ ادا کرنے سے قاصر رہتے تھے۔ ان حالات میں مقامی باشندوں اور انتظامیہ میں ایک اقرار نامہ طے پاتا تھا جس کی رُو سے ایک اہم شخص یا رئیس اپنی طرف سے مطلوبہ رقم ادا کر دیتا اور پھر وہ یہ رقم رعایا سے وصول کرتا۔ یہ طریقہ کار اجارہ قبلا کہلاتا تھا، پیش کش کو تفصیل اور نامزد شخص کو مستقبل کہتے تھے۔

لاک گارڈ (LOKKE GAARD) کا موقف یہ ہے کہ ٹیکسوں کی وصولی کے ضمن میں ٹیکسیداری کا نظام رومن دنیا سے بغیر کسی اہم اور قابل ذکر تبدیلی کے لیا گیا ہے۔ ٹیکسوں کی وصولی کا ٹیکسیداری نظام بنو امیہ کے دور میں شروع ہوا اور عباسی سلطنت میں اس کو عروج حاصل ہوا۔ مصر میں ٹیکس کے باقاعدہ نیلام کے ذریعے دیے جاتے تھے۔ ٹیکسیدار ایک مقررہ رقم پہلے ہی یکمشت یا قسطوں کی صورت میں ادا کر دیتا اور وہ مزادین پر نئے ٹیکس لگانے کا حق دار ہوتا تھا۔

الجبھشیاری (م ۲۲۱ھ) نے لکھا ہے کہ اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے دور میں ایک شخص جس کا نام فروج تھا، اس نے دریائے روم کے کنارے زمین کے کئی ٹکڑے قبلا کے طور پر لیے۔ بعد ازاں عراق کے گورنر اور فروج کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں عراق کے گورنر نے ایک شخص حسن انبطی کو کہا کہ وہ فروج کے قبلا سے زیادہ رقم کی پیش کش کرے اور اس سے لے کر خود نبھال لے۔ فروج سے قبلا لینے میں کامیاب ہونے کے بعد، عراق کے گورنر اور حسن انبطی کے درمیان کشمکش شروع ہو گئی، جس میں انجام کار گورنر کو اپنے عہدہ سے معزول ہونا پڑا۔ یہی الجبھشیاری بیان کرتا ہے کہ ۳۷۵ھ میں براکمہ کی تباہی کے بعد ہارون الرشید نے فارس کے حراج کی وصولی کے لیے ایک ایجنٹ مقرر کیا تھا۔ ایہ المقریزی (م ۸۴۵ھ) بیان کرتا ہے کہ ۸۵۷ھ میں جبکہ ہارون الرشید کا دور تھا، مصر کے امیر الیث بن افضل بیرونی کو ایک بغاوت سے دوچار

ہونا پڑا۔ الیث نے اپنی فوجوں کے ساتھ بغاوت پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا چنانچہ اس نے ہارون الرشید کو یہ خط تحریر کیا کہ وہ خلیفہ کی طرف سے بھی گئی فوجی امداد کے بغیر مصر کا خرچ اٹھا نہیں کر سکتا۔ محفوظ بن سالم نے یہ سن کر کہا کہ وہ مصر کا خرچ بغیر ایک چھٹری یا کوڑا مارے اٹھا کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ چنانچہ ہارون الرشید نے الیث کو برطرف کر دیا اور ابن سالم کو مصر کا امیر مقرر کر دیا۔

امون الرشید کے دور میں باقاعدہ سرکاری اعلان جاری ہوا کہ کسی شخص کو دیا ہوا ٹھیکہ فسخ نہیں کیا جائے گا۔ بشرطیکہ مستقبل اپنے ذمہ واجبات بروقت ادا کر دے۔
مقتدر باللہ (۶۹۰ھ/۲۹۵ھ) کے عہد حکومت میں قبائل سب سے زیادہ رقم کی پیشکش کرنے والے کو دیا جاتا تھا بہر حال ابن مسویہ (م ۴۲۱ھ) نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جب خلیفہ کے ایجنٹ نے لوگوں پر سے بوجھ کو کم کرنے کے لیے ایک ایسے شخص کو ٹھیکہ دیا جس نے کم رقم کی پیشکش کی تھی۔

ضمان کی منظوری اکثر سیاسی عہدوں بشمول عہدہ وزارت کے حصول کے ساتھ ضروری تھا۔ کی حیثیت سے رہی ہے۔ ابن مسکویہ مثال دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ وزیر ابن الفرات اپنی زیر قیادت رسالہ (یعنی سپاہیوں کا دستہ) کو تنخواہ دینے کے قابل نہیں تھا۔ اور انہوں نے بغاوت کر دی۔ اس نے خلیفہ مقتدر کو لکھا کہ وہ رسالہ کو صرف ایک لاکھ درہم ادا کر سکتا ہے۔ اس لیے ایک لاکھ درہم کی رقم اور بھیجی جائے۔ مقتدر باللہ اس درخواست سے ناراض ہو گیا اور اسے یہ لکھا کہ جب ابن الفرات نے وزارت کے اخراجات کی ضمانت دی تھی تو اس وقت یہ توقع کی گئی تھی کہ وہ اپنے اخراجات خود چلائے گا اور یہ کہ ابن الفرات نے جو رقم مانگی ہے وہ غیر متوقع ہے۔

مقتدر فقہاء نے قبائل کی صورت میں ٹیکسوں کی وصولی سے منع کیا ہے۔ اس مانعت کی سہ وجہ یہ ہے کہ اس طرح ٹیکسوں کی وصولی مزارعین کے ناجائز انتفاع کو آسان کر دیتی ہے۔ یہ ریاست کے ذرائع آمدن کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الحق کہتے ہیں کہ مسلم فقہاء نے ٹھیکہ کے ذریعے ٹیکسوں کی وصولی کو ربا الفضل کی ایک شکل قرار دیا ہے۔

قبائل کے ضمن میں قدیم ترین بحث ہمیں کتاب الخراج میں ملتی ہے۔ ٹھیکسوں کی وصولی کے ضمن میں امام ابو یوسفؒ نے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ حکومت کی طرف سے براہ راست ایسے افراد مقرر کئے جائیں جن کی حیثیت ایک عامل کی ہو، چنانچہ انہوں نے ٹھیکہ کے نظام کی مخالفت کی ہے۔ ان کے نزدیک، ٹھیکہ داری کا نظام بدعنوانی کی ایک بدترین شکل ہے۔ امام ابو یوسفؒ، ہارون الرشید پر زور دیتے ہیں کہ وہ سواد اور عراق کی زمینوں اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے صوبوں میں بھی زمینوں کو ٹھیکہ پر دینے کی پالیسی کو ترک کر دے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ورأيت أن لا تقبل شيئاً من السواد ولا غير السواد من البلاد
فإن المستقبل إذا كان في قبالة فضل عنه الخراج عسفاً هل
الخراج وحمل عليهم ما لا يجب عليهم وظلمهم وأخذهم
بما يجعف بهم ليسلم منها دخل فيه - وفي ذلك وامثاله
خراب البلاد وهلاك الرعية - والمستقبل لا يبالي بهلاكهم
بصلاح أمره في قبالة - ولعله أن يستفضل بعد ما يتقبل
به فضلاً كثيراً، وليس يمكنه ذلك إلا بشدة منه على الرعية
وضرب لهم شديد، وإقامته لهم في الشمس، وتعليق
الحجارة في الأعناق، وعذاب عظيم ينال أهل الخراج منها
ليس يجب عليهم من الفساد الذي نهى الله عنه - إنما أمر الله
عز وجل أنه يؤخذ منهم العفو - وليس يحل أن يكلفوا
فوق طاقتهم - وإنما أكره القبالة لأنني لا آمن أن يحمل هذا
المستقبل على أهل الخراج ما ليس يجب عليهم فيعاملهم
بما وصفت لك فيضرب ذلك بهم فيخربوا ما عمروا ويعوه
فينكسر الخراج - وليس يبقى على الفساد شيء ولن يقل مع
الصلاح شيء ﷺ

”میری رائے یہ ہے کہ آپ سواد یا دوسرے علاقوں کی کسی زمین کو ٹھیکہ پر نہ دیجئے۔“

ٹھیکہ دار کو اگر اپنی عمل داری میں خراج کے بعد کچھ بھی فاضل بچتا نظر آتا ہے تو وہ اہل خراج ظلم و زیادتی کرتا اور ان پر ایسے بار ڈالتا ہے جو ان پر نہیں پڑنے چاہئیں۔ وہ اپنے ذمہ (سرکاری) رقم کی ادائیگی کی خاطر ان لوگوں پر اتنا بوجھ ڈال دیتا ہے جس سے ان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اس طرز عمل میں رعایا کی ہلاکت اور سارے علاقوں کی تباہی اور ویرانی مُصنّف ہے۔ ٹھیکہ دار اپنے ٹھیکہ کو بحال رکھنے کے لیے اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ رعایا کو کتنی تباہی سے سابقہ پڑ رہا ہے۔ گمان غالب ہی ہے کہ لوگ ٹھیکہ کی سرکاری رقم ادا کر دینے کے بعد بھی خاصی رقم بچا لیتے ہیں، اور ظاہر ہے ایسا صرف اس شکل میں ممکن ہے جبکہ یہ رعایا سے سختی کے ساتھ پیش آئیں، انکو خوب مار ماریں، دھوپ میں کھڑے رہنے کی سزا دیں اور گردنوں میں پتھر لٹکائیں مختصر یہ کہ اہل خراج کو ناحق بڑے عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ملک میں ایسا فساد برپا ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان سے ان کی ضرورت سے فاضل مال لیں۔ ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بار ڈالنا کسی طرح جائز نہیں۔ میں ٹھیکہ کے طریقہ کار سے اس لیے ناپسند کرتا ہوں کہ مجھے باطل مانا نہیں کہ ٹھیکہ دار اہل خراج پر بے جا بار نہ ڈالے گا اور ان سے وہ سلوک نہ کرے گا جس کی تفصیل میں نے اوپر بیان کی ہے۔ اس سلوک سے رعایا کو نقصان پہنچے گا اور جن علاقوں کو انہوں نے آباد کر رکھا ہے اسے یہ تباہ کر کے چھوڑ کر چلے جائیں گے جس کے نتیجہ میں خراج کی آمدنی بھی کم ہو جائے گی۔ فساد پھیلایا جائے گا تو کچھ بھی باقی نہ رہے گا اور بھلے طریقہ سے کام چلایا جائے گا تو کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔“

امام ابو یوسفؒ اس ضمن میں قانونی منطق سے کام لیتے ہیں جو کہ حقیقی اعمال سے تعلق رکھتی ہے اور کہتے ہیں کہ ایسا واقع ہوتا ہے کیونکہ ٹھیکہ دار تو مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاہدہ کو (یعنی ٹھیکہ کو) زیادہ سے زیادہ کامیاب بنائے۔ اس طرح کاشتکار طبقہ تو فنا ہو جاتا ہے لیکن ٹیکس وصول کرنے والے کو اس کی اس تباہی و بربادی سے کم تعلق ہوتا ہے۔ اس کو صرف ایک ہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ وہ اپنے منافع کو کئی گنا کیسے بڑھا سکتا ہے۔ اور ایسا کرنا ممکن نہیں ہوتا (یعنی منافع کو کئی گنا بڑھانا)

سوائے اس کے کہ وہ غریب کاشتکاروں پر ظلم و ستم کرے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس طرح ریاست کی آمدنی میں بھی کمی واقع ہوتی ہے۔ آپ واضح کرتے ہیں کہ اس بدعنوانی اور اتھال کو قرآن نے بھی منع کیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ زور دے کر یہ بات کہتے ہیں کہ کاشتکار طبقہ کے اس ناجائز انتفاع کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔

کتاب الخراج کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھیکہ داری کا یہ نظام بڑا محکم اور مضبوط تھا۔ اسی لیے امام ابو یوسفؒ نے واضح کیا ہے کہ بعض حالات میں اس نظام سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن بہر حال اس کے لیے کچھ اصول و ضوابط مقرر کرنے ہوں گے۔ چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں :

وإن جاء أهل طسوج أو مصر من الأمصار ومعهم رجل من البلد المعروف موسى فقال : أنا أضمن عن أهل هذا الطسوج أو أهل هذا البلد خراجهم ورضواهم بذلك فقالوا : هذا أخف علينا - نظروا ذلك : فإن كان صلاحاً لأهل هذا البلد والطسوج قبل وضمن وأشهد عليه وصير معه أميراً من قبل الإمام يوثق بدينه وأمانته، ويجري عليه من بيت المال - فإن أراد ظلم أحد من أهل الخراج أو تحميلة شيئاً ، لا يجب عليه ، منعه الأمير من ذلك أشد المنع ^{بطل} ” اگر کسی ملک یا علاقہ کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان کے ہمراہ اس جگہ کا کوئی خوش حال اور معروف آدمی بھی ہو جو آپ سے کہے کہ میں اس علاقہ یا ملک کی طرف سے اس کے خراج کی ادائیگی کا ذمہ لیتا ہوں اور وہاں کے باشندے اس پر رضا مندی ظاہر کریں اور کہیں کہ یہ شکل ہمارے لیے زیادہ سہولت کا باعث ہوگی تو آپ کو اس معاملہ پر غور کرنا چاہیے۔ اگر اس شکل کے اختیار کرنے میں اس ملک یا علاقہ والوں کا فائدہ نظر آئے تو اس آدمی کو ٹھیکہ دے دینا چاہیے۔ اور اسے ذمہ دار تسلیم کر کے متعدد افراد کو اس معاہدہ پر گواہ ٹھہر لینا چاہیے۔

نیز اس فرد کے ہمراہ امام کی جانب سے مقرر کردہ ایک امیر بھیجا جائے جس کی امانت و دیانت پر پورا بھروسہ ہو۔ اس امیر کو بیت المال سے مشاہرہ دیا جانا چاہیے۔ امیر کا کام یہ ہوگا کہ اگر یہ شخص اہل خراج میں سے کسی پر بھی ظلم کرنے۔ اس کے خراج میں اضافہ کرنے، یا اس پر کوئی ایسا بار ڈالنے کا ارادہ کرے جو اس کے ذمہ نہیں نکلتا تو اسے سختی سے روک دے۔“

حوالہ جات

۱۔ ابن منظور، "لسان العرب"، جلد ۱۱ ص ۵۴۴
۲۔ ایضاً

۳۔ الشریعی، "مجمع"، جلد ۵، الزمخشری، اساس البلاغہ جلد ۲

۴۔ Lakke Gaard: Islamic Taxation. P.108

۵۔ Lakke Gaard: Islamic Taxation. P.111

۶۔ الجہیشاری، کتاب الوزراء، ص ۳۸

۷۔ ایضاً، ص ۲۰۴

۸۔ المقرئ، "الخطط"، جلد ۱ ص ۸۰

۹۔ ایضاً، ص ۸۴

۱۰۔ ابن مسکویہ، "تجارب الامم"، جلد ۱ ص ۶۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۵۶

۱۲۔ Zia-ul-Haque: Islam and Feudalism. P.127-131

۱۳۔ ابویوسف، کتاب الخراج، ص ۱۱۴

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۴، ۱۱۵